ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

لوشون اور جدید چینی اَفسانہ

Lushon and Modern Chinese Mythology

سائرہ جبیں
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Saira Jabeen
Doctoral Candidate, Department of Urdu, GC University, Lahore

Abstract:
Lu Xun (25th September 1881-19th Octobr 1936) is a chinese writer, critic and state servant. He is a leading figure of modern chinese literature. He is one of the first authers to write about peasent rights and communisim.He published his first collection of short stories in 1918 entiteld "Diary of a madman." His work include short stories, several articals and translations of a number of foreign litrary works into chinese language. He became the head of the League Left wing writers in Shanghai.In this Article we have not only analysed his stories but also tried to see how he shed light on rural life and its problems the Modern Chinese Society.

Keywords: Chinese Cluture,Lu Xun,Communism, Chinese Society, Shanghai, Chinese Society.

لوشون یا لوشن کے قلمی نام سے لکھنے والے نامور چینی افسانہ نگار کا اصل ۲۵ ستمبر ۱۸۸۱ میں چین کے شہر شائوشنگ میں پیدا ہوئے۔ لوشون بہت بڑے افسانہ نگار، ادیب، ترجمہ نگاراور سیاسی تجزیہ نگار تھے۔ چینی زبان کے علاوہ جاپانی، انگریزی، روسی اور جرمن زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سی ادبی تحریروں کے تراجم بھی کئے۔ لوشون نے کلاسیکی چینی زبان میں بھی لکھا۔ ان کی شہرت کی بنیادی وجہ چینی افسانہ نگاری ہے۔ ''پاگل آدمی کی ڈائری'' کے نام سے ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا۔ چینی زبان میں یہ مجموعہ کلاسیکی حیثیت کا حامل ہے۔ ان افسانوں کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کتاب میں شامل افسانوں کو جاگیر داری نظام کے خلاف اعلان جنگ کہا گیا۔

لوشون ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کی پرورش ننھیال میں ہوئی۔ لی شن ونگ حکومت کے وظیفے پر ۱۹۰۲ء میں طب کی تعلیم حاصل کرنے جاپان بھی گئے وہاں ایک کمیونسٹ رسالے شنان کے لیے کالم بھی لکھتے رہے۔ طب کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر چین واپس آ گئے جہاں یونیورسٹی میں کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد وزارتِ تعلیم نے انہیں بیجنگ یونیورسٹی بھیج دیا۔ ۱۹۳۳ء میں لوشون کو ٹی بی کا مرض لاحق ہو گیا۔ تین سال تک مرض سے لڑنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں بیجنگ میں انتقال کر گئے۔ ۱۹۳۰ء میں شنگھائی کی دائیں بازو کے ادیبوں کی لیگ کے سربراہ بھی بنے۔(۱)

حقیقت پسند اردو افسانے میں جو مرتبہ پریم چند کو حاصل ہے وہی چینی افسانے میں لوشون کو حاصل ہوا۔ اتفاق یہ ہے کہ دو مختلف زبانوں میں لکھنے والے ادیبوں معاصر بھی ہیں۔ لوشون کو جدید چینی افسانے کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ چین کے سنجیدہ ادبی حلقوں میں افسانے کو مقام دلوانے والے لوشون ہیں۔ ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں:

> ”جب میں نے ادب میں دلچسپی لینا شروع کی اس وقت سے اب تک زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ تب چین میں افسانوی ادب کو ”ادب“ نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ اسے لکھنے والے کو ادیب۔ چنانچہ کوئی بھی اس میں نام پیدا کرنے کے بارے میں نہیں سوچتا تھا اور نہ ہی میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال تھا کہ کہانیوں کا مقام بلند کر کے انہیں ادب کی سطح تک پہنچادوں فقط انہیں سماجی اصلاح کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔“(۲)

لوشون ابتدائی زندگی میں انقلابی جمہوریت پسند بھی رہ چکے تھے مگر بعد میں وہ مکمل طور پر انہوں بطور کیمونسٹ اپنی شناخت بنائی تھے۔ ان کے تمام افسانے کسی نہ کسی سطح پر حقیقی زندگی کے پس پردہ عوامل کو عیاں کرتے ہیں۔ سامراجی اور جاگیر داری مخالف رویئے ان کے افسانوں کا اہم موضوع ہیں۔ لوشون ادب کو جدوجہد کا ہتھیار سمجھتا ہے اور کہانیوں کے ذریعے عام آدمی تک اپنا پیغام پہنچانے میں کامیاب بھی ہوا۔ ذہنی، ثقافتی اور عقلی اعتبار سے وہ قاری کو اس سطح تک لے جانا چاہتا تھا جہاں عام آمی بھی معاشرے میں موجود غیر انسانی قدروں کو پہچان سکے۔ یہی ادب کا حقیقت پسند نظریہ ہے کہ ادب اور عام آدمی کا ایسا رشتہ ہو کہ وہ معاشرے اور زندگی کی حقیقتوں کو جانے کے بعد اس کو تبدیل کرنے کی جدوجہد بھی کرے۔

”پاگل آدمی کی ڈائری“ ایک ایسا افسانہ ہے جو آدم خوری کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ انسانی تاریخ میں آدم خوری کا کلچر ہمیشہ سے رہا ہے مگر چینی تاریخ میں بیسویں صدی میں بھی آدم خوری کے واقعات ملتے ہیں۔ ممکن ہے آج کے جدید دور میں بھی دور دراز کے قبائل میں ایسا ہوتا ہو۔ چنگ خاندان کے آخری دور کا ایک انقلابی سوسی لین کو ۱۹۰۷ء میں چنگ افسر کے قتل کے جرم میں پھانسی دی گئی اور اس کا دل اور کلیجی کھائے گئے۔

مئی ۱۹۶۶ء میں مائوزے تنگ نے تہذیبی انقلاب کا آغاز کیا۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۶۷ء میں فوج اور شہریوں کے درمیان لڑائی کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کا قتل عام ہوا۔ ایک چینی سکالر Zhang Xi کی رپورٹ (۱۹۸۰ء) کے مطابق کوانگ شی میں تہذیبی انقلاب کے دوران آم خوری کے کئی واقعات رونما ہوئے۔ اس رپورٹ کے مطابق ۱۳۷ وہ لوگ تھے جن کے باقاعدہ نام اور معلومات بھی درج تھیں۔ بعد ازاں یہ رپورٹ امریکہ کو دی گئی جس میں آدم خوری کے طریقے بھی درج تھے۔ یہ آدم خوری غربت کے باعث نہیں تھی بلکہ فوجیوں اور شہریوں کے درمیان ذات برادری اور Modern cast کی وجہ سے بھی۔ دل، جگر اور گردے کھانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس سے لمبی عمر اور صحت میں اضافہ سمجھا جاتا تھا۔

Monalogue کی تکنیک پر لکھی گئی یہ کہانی روزنامچے یا ڈائری کے چند اوراق کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ یہ ڈائری بیان کنندہ کے دوست کی ہے جو کچھ عرصہ پہلے دماغی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ذہنی بیماری کے دنوں میں وہ اپنے دماغ میں آنے والے خیالات کا اظہار دوسرے شخص سے نہیں کر پایا۔ وہ اس ڈر میں مبتلا تھا کہ لوگ اب بھی انسانی گوشت کھا رہے ہیں۔ اس لڑکے نے آدم خوری کی تاریخ کا اتنا مطالعہ کیا کہ وہ واہمے کا شکار ہو گیا۔ اس کی ایک مثال ہندوستانی فلم ”لگے رہو منّا بھائی“ میں سنجے دت گاندھی جی کا بہت زیادہ مطالعہ کرنے کے بعد اسی نوعیت کے واہمے کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے ہر طرف گاندھی جی نظر آنے لگتے ہیں۔

اسی طرح اس کہانی کا مرکزی کردار بھی ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کو لوگ کھا جائیں گے۔ اس احساس سے وہ جب تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے تو ڈائری لکھتا ہے۔ اپنے وہم اور خوف کو دوسرے لوگوں کے ساتھ اظہار کرنے کی بجائے وہ خون رشتوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔ اس کا بھائی اس کے علاج کے لیے ایک بوڑھے طبیب کو بلاتا ہے تو اس بارے میں ڈائری کی لکھتا ہے۔

> ”دراصل میں جان گیا تھا کہ بوڑھا جلدی میں ہے۔ وہ میری نبض چانچنے کے لیے دیکھنا چاہتا تھا کہ میں کتنا موٹا ہوں اور میرے گوشت سے اسے کتنا کچھ ملے گا۔ میں آدم خور تو نہیں ہوں مگر اس سے بہادر ہوں.... وہ جان گئے ہیں کہ میں بہادر ہوں اس لیے وہ مجھے کھانے کے لیے بے چین ہو گئے ہیں تا کہ میرا گوشت انہیں بھی بہادر بنا سکے۔ یہ حیرت انگیز انکشاف میرے لیے صدمے سے کم نہیں تھا اور میرا اپنا بھائی مجھے کھانے کے منصوبے میں شامل تھا....“(۳)

لوشن نے تنہائی اور خوف میں مبتلا اس کردار کو ایسے پیش کیا ہے جس نے انسانی تاریخ کے تاریک پہلو آدم خوری کو دیکھ لیا ہے اور اس کے متعلق جان گیا ہے۔ دنیا میں سب سے عجیب اور ہیبت ناک چیز ہم جنس کا ہم جنس کو کھانا ہے خصوصاً انسان کا انسان کو کھا جانا۔ مصنف ڈائری کے اوراق کی مدد سے اس کو حقیقی کہانی کے ذریعے ہمیں اس حقیقت سے آشنا کروا رہا ہے کہ یہ خوف کہ ایک انسان ہی انسان کو محض اس مقصد کے لیے ذبح کر دے کہا اس کے بعد وہ اسے بھون کے کھائے گا۔ ڈائری کے اوراق کی مدد سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کہانی ۱۹۱۸ء کے بعد شائع ہوئی ہے۔ لوشون اس میں سیاسی سمجھ اور مفکر ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے مستقبل کی طرف بھی چند معنی خیز اشارے کرتا ہے۔ وہ اس بات کے امکانات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ معاشرے میں ایسے امکانات آج بھی موجود ہیں کہ انسان مستقبل میں بھی آدم خوری کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ یہاں آدم خوری درحقیقت کسی ایک انسان کے دوسرے انسان کو خوش دلی سے قتل کرنے کی علامت ہے۔ انسان جو ایک سطح پر محبت کی انتہا بھی کر دیتا ہے کسی دوسرے ہی لمحے وہ اپنے ہم جنس کا ہی خون پی جاتا ہے۔۔ یہ آدم خوری انسانی گوشت کھانے پر مشتمل نہ بھی ہو تو ایک دوسرے کا حق کھا جانا، کسی کے ساتھ زیادتی کر جانا، قتل و غارت گری اور امیروں کے ہاتھوں غریبوں کا استحصال کیا جانا بھی آدم خوری ہی ہے۔

”چارہ“ اور ”درّے سے روانگی“ بھی موضوعاتی لحاظ سے ملتے جلتے افسانے ہیں جو ”پاگل آدمی کی ڈائری“ کی طرح اپنے زمانے کے اعتبار سے دوسرے دور کی ابتدار اور پہلے دور کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہیں۔ ”چارہ“ بادشاہت کے دور کی کہانی ہے۔ اس میں چینی تہذیب اور کنفیوشس کی تعلیمات کا ذکر بھی ہے۔

” چارہ“ دو ایسے بوڑھے بھائیوں کی کہانی ہے جو بادشاہ کے بیٹے تھے اور اب وہ بوڑھوں کے قیام گھر (Old home) میں رہتے ہیں۔ انقلاب کا دور شروع ہوتے ہی وہ اپنا شہر اور بوڑھوں کی قیام گاہ چھوڑ کر یہاں سے باہر دور ایک پہاڑی پر بسیرا کرتے ہیں اور نئی حکومت کا اناج اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ چارہ اور گھاس کھا کر گزارا کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ان کو اس پہاڑی کے ارد گرد رہنے والے لوگ بوڑھی جوڑی کو تحیر کی نظر دیکھنے آتے ہیں۔ بوڑھوں کا اپنی قدیم روایت و اصولوں پر پابند رہنا فرسودہ خیالات اور انا کی خاطر اپنی زندگی اور صحت کی پرواہ نہ کرنا قدیم چینی معاشرے کی روایات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس صوبے کے حکمران کو جب معلوم ہوتا ہے کہ دو عجیب قسم کے بوڑھے ایک پہاڑی پر قیام پذیر ہیں جو کہ گھاس کھاتے ہیں تو وہ ان کو دربار میں طلب کرتا ہے۔ کہانی میں یہ

حکمران جدید چینی معاشرے کا ترجمان کردار کہا جا سکتا ہے۔ یہ حکمران یا نواب جب ان سے گفتگو کرتا ہے تو اس سے ان بوڑھوں میں احمقانہ قدامت پرستی اور نسل پرستی کے علاوہ کوئی دلچسپ یا قابل ستائش بات نہیں ملتی۔

یہ دونوں بوڑھے خود سے چھوٹے بھائی کے بادشاہ مقرر ہونے کی وجہ سے اپنی نااہلی یا غصہ چھپانے کی خاطر وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ لوشون اس کہانی میں کنفیوشس کے کچھ اقوال بھی نقل کرتا ہے جو بادشاہت یا حکمرانی کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ وہ خصوصیت بادشاہت کے ان دونوں بیٹوں میں موجود نہیں تھی۔ بھوک سے کوہ شیانگ پر جب وہ مر جاتے ہیں تو وہاں کا نواب شیائو بینگ ان کے لیے کتبہ لکھنے سے بھی انکار کر دیتا ہے:

> "ان احمقوں کے لیے؟ وہ کتبے کے بھی مستحق نہیں۔ وہ بوڑھوں کے آرام گھر میں رہتے تھے مگر سیاست سے دامن نہ بچا سکے۔ وہ کوہ شیانگ یہاں پر چلے آئے لیکن نظمیں کہنے پر مصر رہے۔ انہوں نے نظمیں کہیں مگر اپنی اوقات پہچاننے اور فن برائے فن کی روایت پر عمل کرنے کی بجائے خفگی کا اظہار کرتے رہے۔"(۴)

کنفیوشس چینی سرزمین کا سب سے بڑا معلم ہے۔ اس کا درجہ بلا شبہ وہی ہے جو سامی مذاہب میں انبیا کا ہے۔ وہ ایک فلسفی، حکیم اور دانشور ہے۔ ۵۵۱ قبل مسیح میں پیدا ہونے والی اس عظیم ہستی کو آج بھی نہ صرف چین بلکہ جاپان اور کوریا میں بھی ایک روحانی پیشوا کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس کہانی میں بھی لوشون نے قبل از کنفیوشس زمانے میں دقیانوسی انداز تعلیم کی منظر کشی کی ہے کہ کیسے فرسودہ نظام تعلیمات کو بغیر غور و فکر کے نسل در نسل منتقل کیا جائے تو وہ تعلیمات آنے والے نئے ادوار میں اس کی حیثیت محض تاریخی رہ جاتی ہے لوگ اس سے استفادہ نہیں کرتے۔ ایسی تعلیمات سے لوگ بیزار ہونے لگتے ہیں کنفیوشس کا آج کے دور تک زندہ رہنا اور اس کی تعلیمات کو اپنائے رکھنا اس بات کی گواہی ہے کہ اگر آفاقی اخلاقیات اور انسانی اقدار پر مبنی ایسی تعلیمات جو زمانوں بعد میں متعلقہ ہوں، وہی زندہ رہتی ہیں۔ ایسے فلسفے جو عام آدمی کے فہم اور سمجھ بوجھ سے دور ہوں وہ صرف عرصہ کچھ عرصہ ہی زندہ رہتے ہیں۔ اس کہانی میں درے سے روانہ ہونے والے لاوزی کا کردار کنفیوشس کے استاد کا کردار دکھایا گیا ہے جو اپنے استاد کونگ چھیو (کنفیوشس کا اصل نام) سے اس وجہ سے ڈرتے ہوئے درسگاہ سے چوری بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ شاگرد استاد سے زیادہ ادراک اور فہم حاصل کر چکا ہے اور استاد لاوزی اس بات کو بھی سمجھ نہیں پاتا کہ کنفیوشس جیسا شاگرد کبھی بھی اپنے استاد کی شان میں گستاخی نہیں کرے گا۔

لاوزی استاد کا کردار مجرد ہے جس کا معاشرتی زندگی میں کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ اس کو ذریعہ معاش کی فکر ہے نہ دوسری دنیاوی ضروریات سے اس کا کوئی تعلق ہے جو عام آدمی کے مسائل ہیں۔ اس کہانی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی بھی فلسفہ جس کا عملی زندگی کے ساتھ تعلق نہیں ہے وہ دیرپا نہیں ہو سکتا ہے۔ انسان بدلتے ہوئے دور کے ساتھ ان باتوں تعلیمات کی طرف توجہ دیتا ہے جو اس کی عملی زندگی میں فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہیں۔ درے میں موجود لاؤزی کا درس سننے والوں کا شمار ان لوگوں میں تھا جو لاؤزی کے بتائے ہوئے درس کو اس وجہ سے نقل کر رہے تھے کہ اس کے بدلے ان کو اچھی رقم یا اناج مل سکے مگر جب ان کو لاؤزی کی تعلیمات میں کچھ خاص دلچسپی نہ لگی تو انہیں جیسے یقین ہو گیا کہ اس کے بدلے تو ہمیں کچھ بھی نہیں ملے گا وہ آپس میں کہنے لگے:

"تم نے اسے کہتے نہیں سنا تھا کہ میں بے عملی سے ہر شے کو حرکت میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری اپنی ہی غلطی تھی کہ وہاں سونے چلے گئے۔ بڈھے کی خواہش آسمان جتنی اونچی اور تقدیر کاغذ جتنی مہین ہے۔ جب وہ ہر شے کو متحرک کرنا چاہتا ہے تو خود بے عمل ہو جاتا ہے۔"(۵)

لوشون ان تمام قدیم چینی تعلیمات کے خلاف ہے جو عملی زندگی میں انسان کے کسی کام نہ آسکیں۔ بھوک اور افلاس سے مرتے ہوئے لوگوں کے مسائل کا حل نفس پر قابو پانا یا راہبانہ طرز حیات نہیں ہے بلکہ ایسی تعلیمات دی جائیں جو غربت میں کمی لا سکیں۔ ہر وہ نظریہ جس کی ارضیت سے جڑت نہ ہو اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

"بیوہ کا بیٹا" انسانی المیہ کی کہانی ہے۔ زندگی میں اپنے پیاروں کے کھو جانے کی تکلیف کا بیان ہے۔ یہ ایسا عنوان ہے جو کہانی کی مکمل ترجمانی کر رہا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں اکیلی بیوہ عورت کا اپنے بچے کو پالنا، اس کی تربیت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کہانی میں بھی چینی معاشرے کی غریب عورت کا قصہ ہے جو اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی خاطر دوسری شادی نہیں کرتی۔ اپنی جوانی کی قربانی دے کر بیٹے کی پرورش کرنے لگتی ہے۔ سکول کی فیس دینے کے لیے سبزیاں بیچنے، مرغیاں پالنے، ان کے انڈے بیچنے سے لے کر کئی طرح کے مشقت طلب کام کرتی ہے۔ ایک دن وہ اپنے بیٹے کے اسکول سے آنے کے انتظار میں ہوتی ہے تو گاؤں کا ایک بوڑھا آدمی ادھر سے گزرتے ہوئے سانس لینے کو اس کے پاس رک جاتا ہے۔ اسے کہتا ہے کہ: آج گرمی کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی زیادہ وقت گھر سے باہر گزارے گا تو یقیناً بیمار ہو جائے گا۔" ایسے میں انتظار کرتی ہوئی ماں اپنے بیٹے کے لیے پریشان ہو جاتی ہے۔ بے چینی کے عالم میں بار بار راستے کی طرف دیکھتی ہے جہاں سے اس کے بیٹے کی آمد متوقع ہے۔ دور سے اس کو جب پے کی (بیٹے کا نام) آتا دکھائی دیتا تو اس کو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بہت تیز سائیکل چلا رہا ہے۔ وہ اس کو اشاروں سے روکنے کی کوشش کرتی ہے کہ آہستہ سائیکل چلاؤ۔ ماں کے اشارے کرنے سے پاس دانہ چگنے والی مرغیاں پھڑ پھڑا کر جب پے کی کے سائیکل کے سامنے آتی ہیں تو وہ مرغی کو بچانے کی خاطر اپنی سائیکل کی تیز رفتار کو اچانک کم کرنے کے لیے بریک لگاتا ہے اور سر کے بل گرتا ہے۔ شدید چوٹ آنے کی وجہ سے اس کا خون اس قدر بہہ جاتا ہے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس کی ماں یہ تکلیف برداشت نہیں کر پاتی۔

کہانی کے انجام میں ماں کو پاگلوں کی طرح ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ "اے میرے بیٹے تم نے مرغی کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان داؤ پر کیوں لگائی؟ آخر اس نے اپنی زندگی کی قیمت مرغی کی قیمت سے کمتر کیوں سمجھی؟"(۶) ایک ہی کہانی کو مصنف نے دو طرح سے بیان کیا ہے۔ کہانی کے دونوں انجام المیہ کی طرف جاتے ہیں۔ انسانی نفسیات کی بہترین عکاسی کرتے ہوئے اس کہانی میں غریب محنتی بیوہ عورت پر قلم اٹھاتا ہے اور اس کے نوجوان تابع فرمان بیٹے کی عزت نفس کو کہانی کے دوسرے انجام میں دکھاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر لڑکے کی بجائے مرغی مر جاتی ہے اور وہ مرغی کو نہ بچا پاتا تب ایک تھکی ہوئی بیوہ عورت کا کیا ردعمل ہوتا ؟۔ اس پس منظر میں لوشون محنت مزدوری اور بیوگی کی تھکن سے دوچار اس عورت کا شدید ردعمل دکھاتا ہے کہ وہ مرغی کے مرنے کی وجہ سے اپنے نوجوان بیٹے کو مارنے پیٹنے لگ جاتی ہے اور یہ مثبت پہلو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے کہ مرغی کا نقصان کم ہے مگر اس کا بیٹا سلامت ہے۔ اس کے شور سے سارا محلہ اکٹھا ہو جاتا اور وہ اس شور کی پرواہ کیے بغیر کہ لوگوں کے سامنے اس کے نوجوان بیٹے کی تذلیل کر رہی ہے، یہ بھول جاتی ہے کہ وہ ایسے سخت الفاظ میں طعنے دے رہی ہے جس کا ازالہ ممکن نہیں ہو گا۔ نوجوان بیٹا اپنی ذلت برداشت

نہیں کر پاتا اور گھر سے چلا جاتا ہے۔ اپنی ماں کے نام ایک خط رکھ جاتا ہے کہ "ماں میں بچپن سے ایک فرمانبردار بیٹا اور بہترین طالب علم رہا۔ میں نے کبھی تمہیں تنگ نہیں کیا۔ میں آج بھی صرف یہ خوشخبری سنانے کی خاطر جلدی میں آیا کہ مجھے سکول میں اچھا طالب ہونے کی وجہ سے وظیفہ ملا ہے لہٰذا میری اگلی تعلیم کے لیے ہمیں اپنی محنت سے کمایا ہوا پیسہ نہیں دینا پڑے گا مگر اب میں پڑھائی چھوڑ کر مزدوری کروں گا اور بچپن سے لے کر اب تک جتنا پیسہ تم نے میری تعلیم پر خرچ کیا ہر مہینے تمہیں بھیجتا رہوں گا۔ جلد تمہاری رقم لوٹا دوں گا۔ سکول ماسٹر صاحب کو کہنا کہ میرے حصے کا بھی وظیفہ کسی اور طالب علم کو دے دیں۔"

یہ بیوہ عورت ساری عمر کی محنت اپنے جذباتی رویئے اور نفسیاتی الجھاؤ پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے ضائع کر بیٹھتی ہے۔ اس عورت کا شمار معاشرے کے ان افراد میں ہے جو قربانی دیتے ہیں مگر ان کو اپنی جوانی کی گزر جانے کا دکھ بھی اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔ ایشیائی معاشرے میں اکثر انسان لوگوں اور معاشرتی دباؤ کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں۔ پھر وہ لوگوں کے سامنے اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ اس عورت کا کردار بھی ویسا ہی ہے۔ وہ جذبات میں آکر تماشائیوں کے سامنے نفرت اور بے بسی کا اظہار شدت کے ساتھ کرنے لگ جاتی ہے اور یہ بھول جاتی ہے کہ سامنے اس کا اپنا بیٹا ہے۔ وہ لوگوں کو چیخ چیخ کر اپنی قربانی اور محنت کے بارے میں بتانے لگتی ہے۔ پہلے واقعہ میں لڑکے کی موت حقیقی ہے جبکہ دوسرا امکانی واقعہ ہے۔

"سیلاب" ایک تاریخی واقعہ پر مبنی افسانہ ہے۔ چین کی تاریخ میں نواب کون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سیلاب کو دور کرنے کی کوشش میں "کوہ کیھوا" پر مر گیا تھا۔ اسی نواب کے بیٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یوری نواب کون کا بیٹا تھا جس نے پانی کو بند باندھنے کے پرانے طریقے ختم کر کے نئے انداز میں اپنائے اور نکاسی آب متعارف کروا کر چین کو سیلابی طوفانوں سے بچایا۔ یوی قوم کے اس بہادر نواب زادے کے بارے میں چینی معاشرے میں کئی کہانیاں بنائی گئیں۔ مقبول ترین کہانی یہ تھی کہ یوی کس طرح رات کے وقت بھورے ریچھ کے روپ میں آیا۔ منہ اور پنجوں کی مدد سے نو دریاؤں سے گار نکالی۔ کس طرح اس نے آسمانی فوجوں اور آسمانی جرنیلوں کو طلب کر کے شیطان ووچھی کو جو سیلاب لایا تھا، پکڑوا کے کوہ کیھوا کے نیچے قید کیا۔

لوشون نے یہ کہانی اس طرح لکھی ہے کہ یوی کے تاریخ ساز نکاسی آب کے طریقوں کو واضح کیا ہے۔ اس نے اپنے باپ کون کے بنائے ہوئے طریقوں کو غلط ثابت کیا جو مسلسل نو سال تک سیلاب کو روکنے میں ناکام رہا تھا۔ یووی نے دریا نکالے، ندی نالے اور پانی کی نکاسی کے لیے جو طریقے اپنائے وہی آج پورے ایشیا میں کامیاب ہیں۔ لوشون کی کہانیاں سماجی حقیقت نگاری کی تکنیک پر لکھی گئی ہیں۔ بعض افسانوں میں جو تاریخی کہانیاں بیان ہوتی ہیں ان میں نواب و حکمرانوں کے نام اور تاریخ بھی حقیقی درج کی ہوتی ہے۔ چاہے غربت اور افلاس سے پریشان لوگوں کی کہانی ہو یا حکومت سے اور سرمایہ داری نظام سے متاثر لوگوں کی کہانی ہو۔ چین میں بیسویں صدی کی تمام سیاسی اور سماجی سرگرمیاں لوشون کے افسانوں میں ویسے ہی ملتی ہیں جیسے اردو افسانے میں پریم چند کے ہاں۔ اس کی ایک وجہ سن ۳۰ سے ۳۶ تک ہندوستان اور چین کی سیاسی اور سماجی تحریکوں کا عروج پر ہونا بھی ہے۔ یہ تحریریں دونوں ممالک میں ایک جیسی نہیں تھی مگر آزادی اور نئے دور کا آغاز دونوں طرف تیزی سے جاری تھا۔ ان حالات میں لوشون نے چینی جدید افسانے کو رواج دیا۔

ایک معمولی واقعہ اور کھونگ ای چی بھی اسی نوعیت کی کہانیاں ہیں۔ "ایک معمولی واقعہ" جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کوئی بہت طویل کہانی نہیں ہے۔ یہ ایک رکشہ والے کی ایمانداری پر مبنی واقعہ ہے جو چینی معاشرے کی ترقی پسندانہ سوچ اور اعمال کو ظاہر کرتی ہے۔ کھونگ ای چی ایک کرداری کہانی ہے۔ یہ ایک ایسے ادیب کا قصہ ہے جسے چینی حکومت کی اور کیمونسٹ پارٹی کی طرف سے بدترین پابندیوں کی وجہ سے اپنا قلم اور منہ بند رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ وہ بھیک مانگنے اور چوری چکاری

کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔اس کہانی کا بیان کنندہ ایک شراب خانے کا ملازم ہے جہاں سردی کے سخت موسموں میں کھوانگ ای چی شراب پینے آتا ہے۔ترقی پسندانہ سوچ کے حامل افراد کے ساتھ معاشرہ یہی سلوک کرتا ہے۔لوشون نے اپنی کہانیوں میں چینی معاشرے اور ریاستی جبر پر کھل کے لکھا۔انہوں حقیقت پسندانہ اسلوب اختیار کیا اور سب سے جدا اپنی راہ نکالی یہی وجہ ہے کہ چینی افسانے میں اسلوب و تکنیک کی بہت سی تبدیلیوں کے باوجود ان کے افسانے کا رنگ پھیکا نہیں پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر کوثر جمال، پریم چند اور لوشون کی روایت، مشمولہ ادبیات ۴۱۔۴۲، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، ۱۹۹۷، ص ۶۵۸

۲۔ ایضاً، ص:۶۵۷

۳۔ لوشون، پاگل آدمی کی ڈائری، (مترجم)، خالد بٹ، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۲۰، ص:۱۶

۴۔ ایضاً، ص:۵۱

۵۔ ایضاً، ص:۶۷

۶۔ ایضاً، ص:۸۷

Reference in Roman Script:

1. Dr. Kosar Jamal, Prem Chand aur Loshoon Ki Riwait, Mashmola, Adbiyat,41-42,Islamabad, Aakadmi Adbiyat, 1997, p:658
2. Ibid,P:657
3. Loshoon, Pagal Admi Ki Dairy,(Mutrajm),Khalid Butt, Lahore, Fiction House, 2020, p:16
4. Ibid,P:51
5. Ibid,P:67
6. Ibid,P: 87